7

اسمبلی کے الیکشن کے متعلق چند اہم امور

(فرمودہ 8 مارچ 1946ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

(1) جو مقصد ہمارے سامنے ہے اس کے لئے تو ہم اربوں روپیہ صَرف کریں گے: "آج مَیں الیکشن کے بارہ میں پھر کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ کچھ دن ہوئے مجھے اپنے کمرہ میں بلند آواز سے کسی کے بولنے کی آواز آئی۔ مَیں نے سمجھا کہ شاید ہماری جماعت کا کوئی جلسہ ہو رہا ہے مگر چونکہ مجھے اُس کا علم نہیں تھا اِس لئے مَیں نے برآمدہ کی طرف باہر نکل کر سننا چاہا کہ کیسا جلسہ ہے۔ مَیں نے مسجد اقصیٰ کی طرف دیکھا لیکن وہاں خاموشی تھی۔ پھر برآمدے کی دوسری طرف گیا تو معلوم ہوا کہ شاید سکھوں کے گوردوارہ میں کوئی تقریر ہو رہی ہے۔ مَیں تھوڑی دیر وہاں ٹھہرا تو مَیں نے سنا کہ بڑے زور و شور سے یہ کہا جا رہا تھا کہ غریب قوم کے چندوں کا روپیہ الیکشنوں میں اُڑایا جا رہا ہے۔ ہماری زبان کی ایک مثال ہے کہ "داتا دے اور بھنڈاری کا پیٹ پھٹے۔" روپیہ کسی کا، خرچ کوئی کرتا ہے اور فکر کسی اَور کو ہو رہی ہے۔ وہ غریب جماعت جس کا چندہ ہے اگر فرض بھی کر لو کہ وہ خرچ ہو رہا تھا تو وہ قوم تو اس کام کے لئے خود بھاگی بھاگی پھر رہی تھی کام کر رہی تھی اور رات دن اس میں مشغول تھی لیکن جو جماعت میں شامل نہیں تکلیف ان کو ہو رہی تھی۔ حالانکہ اگر ہم نے دنیا میں اپنے نظام کی کوئی مضبوطی پیدا کر لی ہے اور جو حقوق ملک کو ملنے ہیں ان میں حصہ لیا ہے تو لازمی طور پر ہم کو ایک سخت جدوجہد بھی اس کے لئے کرنی پڑے گی کیونکہ ہم اقلیت ہیں اور ہمارے افراد ملک میں پھیلے ہوئے ہیں۔ اگر ہماری جماعت کسی

ایک ضلع یا دو ضلعوں میں جمع کر دی جائے تو الیکشنوں پر ہمارا کچھ بھی خرچ نہ آئے کیونکہ کثرت احمدی ووٹروں کی ہو گی۔ جیسا کہ مَیں پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ ہماری جماعت کے چالیس پچاس ہزار کے درمیان ووٹر ہیں۔ اس حلقہ میں چودھری فتح محمد صاحب کے ووٹ صرف چھ ہزار دو سو تھے۔ اگر تین ممبروں کے سوال کو اڑا دیا جائے تو چار ہزار دو سو ووٹ میں سے جو مسلم لیگ کو ملے اگر آدھے بھی دوسروں کو مل جاتے اور آدھے چودھری فتح محمد صاحب کو تو پھر یہ آٹھ ہزار تین سو ووٹ لے کر جیت جاتے یا ہمارے حساب سے آٹھ ہزار پانچ سو ووٹ لے کر۔ کیونکہ ہمارے دو سو ووٹ غائب ہو گئے ہیں یا دوسرے فریق کے حساب میں گِنے گئے ہیں اور یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جس وقت ووٹ گنے جاتے ہیں اس وقت فریقین کو ہاتھ نہیں لگانے دیا جاتا سرکاری افسر گنا کرتے ہیں۔ اس لئے ہمیں شبہ ہے کہ ہمارے دو سو ووٹ دوسرے کے ووٹوں میں شمار ہو گئے ہیں یا کر لئے گئے ہیں۔ بہر حال ہمارے حساب سے چودھری صاحب آٹھ ہزار پانچ سو پر جیت جاتے اور ان کے حساب سے آٹھ ہزار تین سو پر۔ گورداسپور میں تو تناسب اس سے بھی کم ٹھہرتا ہے کیونکہ وہاں ووٹوں کی تعداد کم ہے۔ وہاں پانچ ہزار ووٹ والا جیت جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ چھ ہزار فرض کر لو۔ ہماری جماعت کے چونکہ پینتالیس پچاس ہزار ووٹ ہیں اس حساب سے ہمیں چھ سیٹیں آپ ہی آپ آجاتی ہیں لیکن بوجہ اقلیت ہونے کے اور سارے پنجاب میں پھیلے ہونے کے ہم اپنے حقوق نہیں لے سکتے ورنہ حقوق کے لحاظ سے ہمیں چھ سیٹیں ملنی چاہئیں لیکن باوجود بڑی کوشش کے ہم صرف ایک سیٹ جیت چکے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ہمارے باہر کے تمام ووٹ پھیلے ہوئے ہیں اس لئے ہماری جماعت دوسری جگہوں پر جیت نہیں سکتی۔ اگر نوّے سیٹوں میں ہمارے دو دو ہزار ووٹ پھیلے ہوئے ہوں تو دو ہزار والے کسی صورت میں بھی جیت نہیں سکتے حالانکہ اس طرح ایک لاکھ اسّی ہزار ووٹ بنتا ہے لیکن اتنی بڑی تعداد ہو جانے پر بھی ہم ایک سیٹ بھی نہیں لے سکیں گے۔ اس وقت ہمارے ووٹروں کی تعداد پچاس ہزار ہے۔ اس کو سارے پنجاب میں تقسیم کریں تو ایک ایک سیٹ کے لئے صرف پانچ پانچ سَو ووٹ بنتے ہیں اور پانچ سَو ووٹوں سے کون جیت سکتا ہے۔ پس اگر ہم نے زیادہ ووٹ حاصل کرنے ہیں تو اس کے لئے ہمیں لازماً بڑی جدوجہد کی ضرورت ہو گی اور اس جدوجہد کے

لئے روپیہ بھی خرچ کرنا پڑے گا۔ کہا جاتا ہے کہ یونینسٹ نے جو پچیس لاکھ روپیہ لوگوں سے جمع کیا تھا وہ سارے کا سارا خرچ ہو گیا ہے۔ لیکن جیتے ان کے صرف دس آدمی ہیں بلکہ اب تو اس پارٹی میں صرف چھ رہ گئے ہیں۔ پچیس لاکھ تو انہوں نے فنڈ سے خرچ کیا اور جو نمائندوں نے خود خرچ کیا وہ الگ ہے۔ اسی طرح مسلم لیگ کا روپیہ بھی خرچ ہوا ہے۔ دوسرے ممبر تو زیادہ تر اپنے زور اور طاقت پر کھڑے ہوتے ہیں لیکن ہماری جماعت میں ابھی ایسے مالدار آدمی نہیں کہ وہ اپنے زور اور طاقت پر کھڑے ہو سکیں۔ اگر وہ کھڑے ہوں گے تو لازمی بات ہے کہ وہ سامان نہ ہونے کی وجہ سے ہار جائیں گے۔ اس لئے اگر ہم نے اپنے آدمی کھڑے کرنے ہیں تو یقیناً جماعت کو ان پر روپیہ خرچ کرنا پڑے گا۔

پس یہ سوال ہی غلط ہے کہ کیوں غریب آدمیوں کا چندہ ضائع کیا جارہا ہے۔ اول تو ہم کہتے ہیں تم کو اس سے کیا تکلیف ہو رہی ہے۔ دینے والے ہم، خرچ کرنے والے ہم عجیب بات ہے کہ جن کا روپیہ ہے ان کو تو احساس ہی نہیں ہوتا اور جن کا روپیہ نہیں وہ خوانخواہ شور مچا رہے اور اپنی ہمدردی ظاہر کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں اس کے متعلق ایک دوسری مثال بھی ہے کہ "ماں سے زیادہ چاہے کُٹنی 1 کہلائے"یعنی جو شخص اصل تعلق والے سے زیادہ محبت کا اظہار کرتا ہے اُسے کُٹنا کہا جاتا ہے لیکن اس کے علاوہ یہ بات ہی غلط ہے کہ چندے کا روپیہ الیکشن پر خرچ کیا گیا ہے۔ اب ہماری جماعت خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی بڑھ چکی ہے اور اتنی طاقت پکڑ چکی ہے کہ اس کے پاس چندے کے علاوہ آمد کے اَور بھی ذرائع ہیں اور وہ آمد خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر سال بڑھتی چلی جاتی ہے۔ چندے کے سارے روپے کو اشاعتِ اسلام پر لگا دینے کے باوجود پھر بھی خدا تعالیٰ کے فضل سے ہماری دوسری آمدنیوں سے اتنا روپیہ مل سکتا ہے اور ملنا شروع ہو گیا ہے جس کے ذریعہ سے ہم اپنے ایسے حقوق پر جن کا ملنا جماعت کی ترقی کے لئے ضروری ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے روپیہ خرچ کر سکتے ہیں۔ اور ایسی سکیمیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ہمارے سامنے ہیں کہ جن کے بعد ہماری یہ ترقی خدا تعالیٰ کے فضل سے اَور بھی بڑھ جائے گی۔ یہ تو ہزاروں کے خرچ پر شور مچاتے ہیں حالانکہ جو مقصد ہمارے سامنے ہے اور جس کام کا ہم نے بیڑا اٹھایا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ہزاروں کا بھی سوال نہیں اربوں ارب روپیہ

خرچ آئے گا۔ ہم نے دنیا میں یونیورسٹیاں بھی بنانی ہیں، کالج اور سکول بھی بنانے ہیں اور ہم نے دنیا میں مبلغین کا جال بھی پھیلانا ہے۔ آخر احمدیت قادیان کے ارد گرد تک تو نہیں رہے گی۔ احمدیت نے تو ساری دنیا میں پھیلنا ہے۔ پس ہمارا مقصد صرف یہی نہیں کہ یہاں ایک کالج بنا دیا جائے یا ایک سکول بنا دیا جائے یا چند مبلغ تبلیغ کے لئے مقرر کر دیئے جائیں بلکہ ہمارا مقصد ساری دنیا میں کالج بنانے کا ہے، ہمارا مقصد ساری دنیا میں یونیورسٹیاں بنانے کا ہے اور ہمارا مقصد ساری دنیا میں سکول بنانے کا ہے اور ہمارا مقصد ہزارہا بلکہ لکھوکھہا مبلغین کو ساری دنیا میں پھیلانے کا ہے۔ ان کے لئے اربوں ارب روپیہ کی ضرورت ہوگی بلکہ ہم تو خدا تعالیٰ کے فضل سے ایسی طاقت کے امیدوار ہیں کہ جس کا مقابلہ بڑی بڑی حکومتیں بھی نہ کر سکیں اور یہ مقصد اپنا حق لینے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ ان لوگوں کو جن کا کوئی تعلق نہیں خواہ مخواہ تکلیف ہو رہی ہے۔ لیکن ہم عَلَی الْاِعْلَان کہتے ہیں کہ خواہ سَو سال تک ہم ہارتے چلے جائیں ہم ہر دفعہ قادیان کی سیٹ کے لئے لڑیں گے کیونکہ یہ ہماری مرکزی جگہ ہے اور ہم اس جگہ کو اپنا حق سمجھتے ہیں۔ اگر سارے پنجاب میں دوسری جگہوں پر دوسری پارٹیاں ہم سے مدد لیتی ہیں تو کیا وجہ ہے کہ اس جگہ کے متعلق ہمارا یہ حق تسلیم نہ کیا جائے کہ یہ سیٹ ہمیں بہرحال ملنی چاہئے تا دشمن یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم نے قادیان میں احمدیوں کو شکست دے دی ہے۔ بلکہ ہر پانچ سال کے بعد یہ بات واضح ہوتی رہے کہ ان کا قادیان کے متعلق فتح کا ڈھنڈورا پیٹنا بالکل غلط ہے۔ آخر جماعت کا اعتبار مجھ پر ہے اور وہ مجھے چندہ دیتی ہے۔ اس خرچ پر دوسروں کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ پھر یہ ایک واضح بات ہے کہ الیکشن میں اپنے آدمیوں کے پھیلانے میں اور لاریوں وغیرہ کے حاصل کرنے میں بہت کچھ خرچ ہوتا ہے اور اس دفعہ تو لاریوں پر خصوصاً بہت خرچ ہوا ہے۔ بعض لاریوں والے سَو سَو روپیہ روزانہ مانگ لیتے تھے اور ایک نے تو اس سے بھی زیادہ مانگا۔ عام طور پر پنجاب میں ایک ماہ یا اس سے زیادہ لینے کے لئے ساٹھ روپے روزانہ کے خرچ سے ایک ایک لاری ملتی رہی ہے۔ چنانچہ کئی امیدواروں نے اس خرچ پر ایک ایک ماہ تک لاریاں لیں۔ اس قسم کے اخراجات چونکہ ضروری ہوتے ہیں اس لئے ہر امیدوار نے یہ خرچ کئے۔ اور جس نے نہیں کئے وہ بری طرح ہار گیا۔ اگر جماعت اس بوجھ کے اٹھانے

میں جھجک محسوس کرے گی تو مَیں اِنْشَاءَ اللّٰہ خود اس بوجھ کو اٹھاؤں گا۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ ہم جیت جائیں اور پچھلی دفعہ بھی ہمارا مقصد یہ نہیں تھا۔ بلکہ پچھلی دفعہ ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہم نے احرار سے زیادہ ووٹ لینے ہیں اس کے لئے مَیں نے دوستوں سے کہا تھا کہ تم ساری تحصیل میں پھیل جاؤ، اپنے دوستوں سے ملو اور کوشش کرو کہ وہ احمدی امیدوار کو ووٹ دیں۔ رشتہ داروں کے پاس جا کر کوشش کرو اور ان کو اس بات پر آمادہ کرو کہ وہ احمدی امیدوار کو ووٹ دیں تا کہ ہمارے ووٹ احرار سے زیادہ ہو جائیں اور ان کا یہ دعویٰ غلط ثابت ہو جائے کہ ہم نے احمدیوں کو ان کے مرکز میں شکست دے دی ہے۔ گو اس الیکشن میں میاں بدر محی الدین صاحب جیت گئے لیکن ہمارے امیدوار کے ووٹ احرار سے تقریباً تین سو زیادہ تھے۔ اس طرح دنیا کو یہ معلوم ہو گیا کہ احرار کا یہ دعویٰ کہ ہم نے قادیان کو فتح کر لیا ہے بالکل غلط تھا۔ اگر فتح کر لیا ہوتا تو احمدیوں کو ووٹ ان سے زیادہ کیوں ملتے۔ پس یہاں ہمارے ایک نمائندہ کے جیتنے کا سوال نہیں بلکہ یہ ایک جماعتی کام ہے۔ اگر اس کے لئے چندہ بھی کرنا پڑے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ ہر مخلص احمدی کا فرض ہو گا کہ اس میں حصہ لے اور ہر الیکشن پر ثابت کر دے کہ احرار کا یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ انہوں نے قادیان کو فتح کر لیا ہے۔ لیکن علاوہ اس ذریعہ کے جو مَیں نے بتایا ہے اَور ذرائع بھی ہیں۔ چندے کے علاوہ ہماری جماعت کو اَور بھی آمد ہوتی ہے اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل سے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اس کے علاوہ میرے ذہن میں یہ بھی سکیم ہے کہ جماعت کے اندر بھی یہ احساس پیدا ہونا چاہئے کہ وہ ان اخراجات میں حصہ لے جو عام چندہ ہے اس سے ہمیں خرچ کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس کے لئے خاص طور پر جماعتوں سے چندہ لینا ان کی اپنی بیداری کے لئے ضروری ہے۔ جب ہر احمدی اس میں حصہ لے گا تو اس کو احساس ہو گا کہ یہ میرے فرائض میں سے ایک اہم فرض ہے۔ چندے کی غرض صرف یہی نہیں ہوتی کہ روپیہ فراہم ہو جائے بلکہ یہ بھی ہوتی ہے کہ انسان کے اندر احساس پیدا ہو جائے کہ اس کام کو پورا کرنا میرے ذمہ ہے۔ پس ایک سکیم میرے ذہن میں یہ بھی ہے کہ آئندہ اس کے لئے چندہ مانگا جائے تا جماعت میں بیداری پیدا ہو۔

پچھلی دفعہ الیکشن میں بٹالہ کے حلقہ کے سکھوں نے اپنی بیداری کا ایک حیرت انگیز

نمونہ دکھایا تھا۔ وہ ایک عجیب نظارہ تھا کہ نہ صرف سینکڑوں بلکہ ہزاروں سکھ پیدل چلتے اور گاتے ہوئے اپنے پنتھک امیدوار کے لئے جاتے۔ اَور لوگ تو کھانا کھاتے تھے کوئی کہتا تھا فلاں جگہ پر ووٹ دینے جانا ہے ہمیں تانگہ یا لاری کے لئے کرایہ دو۔ مگر ان کا یہ حال تھا کہ وہ پیدل جاتے اور وہاں پہنچ کر اپنے امیدوار کے ہاتھ میں ہر ووٹر ایک ایک روپیہ دیتا چلا جاتا۔

پس اگر کوئی قومی کام ہو تو قوم کو وہ بوجھ اٹھانا ہی پڑتا ہے۔ لیکن اس وقت تو یہ بات ہی غلط ہے کہ یہ روپیہ قومی چندے سے خرچ ہوا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس اَور ایسے ذرائع بھی ہیں جن سے علاوہ چندے کے اَور آمد ہوتی رہتی ہے لیکن آئندہ میرا ارادہ ہے کہ اس قسم کے کاموں کے لئے بھی چندے کی تحریک کی جائے تاکہ جماعت میں احساسِ ذمہ داری پیدا ہو۔

(2) الیکشن سے ہم نے کئی سبق سیکھے: دوسری بات مَیں یہ کہنی چاہتا ہوں کہ الیکشن سے ہمیں ایک بہت بڑا فائدہ ہوا ہے اور بہت سے سبق ہم نے حاصل کئے ہیں۔ ہماری جماعت کے لوگوں نے مقامی حالات کے مطابق جو فیصلے کئے تھے اکثر انہی کو مرکز نے منظور کر لیا تھا۔ گویا ہم نے فیصلے نہیں کئے بلکہ خود ان جماعتوں نے جو مشورہ کر کے ہمیں اپنا فیصلہ بتایا ہم نے اسی کا اعلان کر دیا تھا۔ ممکن ہے کوئی جگہ ایسی بھی ہو جہاں ہمارا کوئی ووٹر نہ ہو۔ لیکن بعض جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں ہماری جماعت کا تین چار ہزار کے قریب ووٹ ہے۔ تحصیل بٹالہ میں ہی اس دفعہ چھ ہزار آٹھ سو ووٹ احمدیوں کا تھا۔ اصل میں ووٹ تو آٹھ ہزار کے قریب تھا لیکن بعض نقائص کی وجہ سے کچھ ووٹ خراب ہو گئے اور کچھ ووٹ بنائے ہی نہیں گئے۔ ہمارے دوستوں نے ہر جگہ اپنے ووٹوں کو استعمال کیا اور اکثر مقامات پر ہمارے ووٹ مسلم لیگ کو ملے۔ البتہ کچھ جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں بعض دوسرے مصالح کی وجہ سے ہم نے یونینسٹ پارٹی کی مدد کی۔ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے کہ یونینسٹ کے دس گیارہ ممبر جو کامیاب ہوئے ہیں ان میں سے پانچ چھ ممبر ایسے ہیں جو محض ہماری امداد کی وجہ سے جیتے ہیں۔ اس کے مقابل پر ہم نے مسلم لیگ کی تو بہت زیادہ امداد کی ہے۔ اس الیکشن میں ہمیں یہ تجربہ ہوا ہے کہ جس طرح ہر قربانی کے لئے عادت کی ضرورت ہے اسی طرح الیکشن کے لئے بھی لوگوں میں قربانی کی عادت پیدا کرنے کی

ضرورت ہے۔ چندہ دینے اور زندگیاں وقف کرنے کی چونکہ جماعت میں عادت پیدا ہو چکی ہے اس لئے مَیں نے دیکھا ہے کہ چندے کی تحریک کرو تو جماعت نہایت اعلیٰ اخلاص کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ زندگیاں وقف کرنے کی تحریک کرو تو نوجوان اپنی زندگیاں فوراً وقف کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ آہستہ آہستہ جماعت میں ان باتوں کی عادت پیدا ہو گئی ہے اِس لئے ہر موقع پر ان کا قدم ترقی کی طرف اٹھتا ہے۔ لیکن ہر نیا کام ایک قسم کا امتحان بن جاتا ہے۔ مجھے کئی دفعہ خیال آیا ہے کہ چندے میں اور زندگیاں وقف کرنے میں اور بعض دوسری قسم کی قربانیوں میں کوئی بڑی سے بڑی جماعت بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اگر کانگرس بھی زندگیاں وقف کرنے کا مطالبہ کرے تو میرے خیال میں اتنے لوگ زندگیاں وقف نہ کریں جتنے ہمارے نوجوان کرتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے نوجوانوں کو قید ہونا پڑے تو وہ گھبرائیں گے کیونکہ یہ ان کے لئے ایک نیا کام ہو گا۔ لیکن اگر عادت پڑ جائے تو کانگرس ہم سے بہت پیچھے رہ جائے گی۔ پس صرف عادت پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر عادت پیدا ہو جائے تو ہمارے آدمی اس معاملہ میں کانگرس کے آدمیوں سے بیس گُنے زیادہ جرأت دکھائیں گے کیونکہ ہمارے اندر وہ ایمان موجود ہے جو ان میں نہیں۔ انسان کی یہ عادت ہے کہ وہ ہر نئے کام سے ہچکچاتا ہے اور وہ کام اس کے لئے امتحان بن جاتا ہے۔

اس الیکشن کے متعلق مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض لوگوں نے کمزوریاں دکھائی ہیں۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ جماعت کے مُعْتَدٌ بِہٖ حصہ نے کمزوری دکھائی ہے، مَیں یہ بھی نہیں کہتا کہ چالیس پچاس ہزار میں سے پانچ ہزار نے کمزوری دکھائی ہے، مَیں یہ بھی نہیں کہتا کہ دو تین ہزار نے کمزوری دکھائی ہے۔ مگر دو تین سو آدمی ضرور ایسا ہے جس نے کمزوری دکھائی ہے۔ وہ کمزوریاں تین قسم کی ہیں۔

ایک تو یہ کہ بعض لوگوں نے اخلاص کے لباس میں اپنی ذاتی خواہشات کو پورا کیا ہے۔ اگر ان کو کسی یونینسٹ امیدوار سے ہمدردی تھی تو انہوں نے یونینسٹ کے حق میں رائے دی اور اگر ان کو کسی مسلم لیگ کے امیدوار سے ہمدردی تھی تو انہوں نے مسلم لیگ کے امیدوار کے حق میں رائے دی۔ اور سلسلہ کے مفاد کو مدنظر نہیں رکھا بلکہ ذاتی ہمدردی کو اخلاص کا رنگ

دے کر یہ ظاہر کیا کہ گویا وہ جماعتی نظام کی اِتباع کی وجہ سے اس پارٹی کے امیدوار کے حق میں رائے دے رہے ہیں۔ حالانکہ خود ان کے ذاتی تعلقات ان سے تھے جن کی وجہ سے وہ ان کی تائید کر رہے تھے اور یہ ممکن تھا بلکہ غالب امر تھا کہ اگر ان کی مرضی کے خلاف فیصلہ کیا جاتا تو ان کو ٹھوکر لگتی۔ گو ایسے آدمیوں کی تعداد بہت کم ہے لیکن پھر بھی ایک مخلص جماعت میں ایسے آدمیوں کا پایا جانا بہت تکلیف دِہ بات ہے۔ اور بعض ایسے آدمیوں کے متعلق جو کہ ذمہ دار آدمی ہیں اور اچھی شہرت رکھنے والے ہیں یہ یقین کرنے کی کافی وجوہ ہیں کہ انہوں نے اپنے ذاتی اغراض کو جماعتی فائدہ پر مقدم کیا اور اسے شکل یہ دی کہ گویا وہ جماعتی اتباع اور اخلاص کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں۔

دوسرا نقص یہ دیکھا گیا کہ باوجود مرکز کا حکم پہنچ جانے کے بعض جماعتوں نے اس میں اختلاف کیا۔ جماعتوں نے کثرتِ رائے سے مشورہ کر کے جو فیصلہ ہمیں بتایا اس کے مطابق ہم نے فیصلہ کر دیا لیکن جب فیصلہ ہو گیا تو انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ مثلاً تحصیل گوجرانوالہ کے احمدیوں کی دو پارٹیاں بن گئیں۔ ایک پارٹی مسلم لیگ کی تائید میں تھی اور دوسری پارٹی یونینسٹ کو ووٹ دینا چاہتی تھی۔ دو دفعہ مَیں نے آدمی بھیجا مگر یہ لوگ صلح سے فیصلہ نہ کر سکے۔ قومی کاموں میں جدھر اکثریت ہو اقلیت کو اپنی رائے ان کی رائے کے ماتحت کر دینی چاہیئے سوائے دین کے معاملہ کے۔ اگر دین کے معاملہ میں اکثریت دین کے خلاف کوئی فیصلہ کرے مثلاً یہ کہے کہ خدا تعالیٰ کو ایک نہ مانو تو اس معاملہ میں اکثریت کی رائے کی پروا نہیں کی جائے گی۔ لیکن دنیوی معاملات میں اکثریت کی رائے کا خیال رکھا جانا ضروری ہوتا ہے۔ خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اکثریت کے فیصلہ کو قبول کرنے سے قومی مفاد کو نقصان پہنچنے کا کوئی شدید احتمال نہ ہو۔ یہ ایسی صاف بات ہے کہ جس کو ہر عقل مند انسان اچھی طرح سمجھ سکتا ہے لیکن مجھے افسوس ہے کہ تحصیل گوجرانوالہ میں نہ اقلیت نے اکثریت کی رائے کا کوئی خیال کیا اور نہ اکثریت نے فتنہ دور کرنے کی نیت سے اقلیت کی بات کو مانا۔ جب معاملہ اس حد تک پہنچ گیا تو اکثریت کو ہی خاموشی اختیار کر لینی چاہیئے تھی۔ پس مَیں اقلیت اور اکثریت دونوں کو ملزم گردانتا ہوں۔ جب اکثریت نے دیکھا تھا کہ کچھ لوگ قومی نظام کو توڑ

رہے ہیں تو وہ کہہ دیتے کہ ہم اکثریت میں ہونے کے باوجود تمہارے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ لیکن اقلیت نے اس بات پر اصرار کیا کہ وہ ضرور اپنی بات منوا کر رہیں گے اور اکثریت نے اس بات پر اصرار کیا کہ ہماری اکثریت ہے ہم اپنی بات ضرور منوائیں گے۔ حالانکہ اقلیت کا یہ فرض تھا کہ وہ اکثریت کے فیصلہ کی اتباع کرتی اور اپنی ذاتی اغراض کو پسِ پُشت ڈال دیتی۔ اور اگر اقلیت اس بات پر مُصر تھی تو اکثریت کا فرض تھا کہ دانائی کو کام میں لاتے ہوئے اقلیت کے پیچھے چل پڑتی تا کہ تفرقہ پیدا نہ ہوتا۔ جس طرح فرض تو بیٹے کا ہے کہ وہ اپنے باپ کی بات مانے لیکن کبھی باپ ہی اپنے بیٹے کی بات مان لیتا ہے۔ اسی طرح اس جھگڑے کو اس صورت میں بھی طے کیا جا سکتا تھا کہ دونوں فریق کہہ دیتے کہ نہ ہم کسی کے حق میں ووٹ دیتے ہیں نہ آپ کسی کے حق میں ووٹ دیں۔ دونوں اپنے اپنے گھر بیٹھ جاتے۔ ہم بھی کہتے کہ ہم تمہیں معاف کر دیتے ہیں کیونکہ تم لوگوں نے تفرقہ کا دروازہ کھولنے سے اپنے تئیں روکا ہے۔ لیکن ان لوگوں نے خوب پارٹی بازی کی اور جماعتی اتحاد کو نقصان پہنچایا۔ مَیں نے وہاں کے لوگوں کو اس لئے سزا نہیں دی کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے مسلم لیگ کی یا کچھ لوگوں نے یونینسٹ پارٹی کی کیوں تائید کی بلکہ مَیں نے اس لئے ان کو سزا دی ہے کہ ایک دنیوی معاملہ کے لئے انہوں نے جماعت کے اندر تفرقہ پیدا کیا۔ مَیں نے ان کو یہ سزا دی ہے کہ تحصیل گوجرانوالہ کا کوئی شخص میرے ساتھ ملاقات نہیں کر سکتا۔ اسی طرح مجلس شوریٰ میں ان کو حقِ نمائندگی سے محروم کیا جاتا ہے۔ آخر ووٹ دینا مقدم نہ تھا۔ مقدم بات یہ تھی کہ احمدیوں کا آپس میں اتحاد قائم رہے۔ پس ہم نے اس لئے ان کو سزا نہیں دی کہ کیوں ان میں سے کچھ لوگوں نے مسلم لیگ کی تائید کی یا کیوں ان میں سے کچھ لوگوں نے یونینسٹ پارٹی کی تائید کی۔ اگر مسلم لیگ کی تائید کی وجہ سے ان کو سزا دی جاتی تو یونینسٹ کی تائید کرنے والوں کو سزا نہیں ہونی چاہئے تھی؟ اور اگر یونینسٹ کی تائید کی وجہ سے سزا دی جاتی تو مسلم لیگ کی تائید کرنے والوں کو سزا نہیں ہونی چاہئے تھی۔ لیکن سزا دونوں پارٹیوں کی تائید کرنے والوں کو دی گئی ہے کیونکہ ہمارے نزدیک ایسے اختلاف کی صورت میں اس بات کی اہمیت نہیں رہتی کہ وہ مسلم لیگ کو ووٹ دیں یا یونینسٹ کو۔ ہم نے ان کو سزا اس لئے دی ہے کہ انہوں نے کیوں اس معاملے کو اس قدر

اہمیت دی کہ جماعت میں لڑائی پیدا کر دی۔ الیکشن میں ووٹ دینا کوئی دینی معاملہ نہ تھا۔ دینی معاملہ یہ تھا کہ وہ اپنے اندر اتحاد قائم رکھتے۔ قومی اتحاد احکامِ دینیہ میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا[2] تم اللہ تعالیٰ کی رسّی کو پورے زور سے پکڑ لو تو تمہارے اندر کمزوری پیدا نہیں ہو گی۔ اور جو جماعت نظام کی رسّی کو چھوڑ دے گی وہ کامیابی کا منہ نہیں دیکھ سکے گی۔ پس یہ سزا ان کو نظام کی رسّی چھوڑنے کی وجہ سے دی گئی ہے۔ اکثریت جس کے حق میں فیصلہ کیا گیا تھا۔ ان میں سے بعض نے مجھے لکھا ہے کہ ہمیں تو معاف کیا جائے ہم نے تو شور و شر نہیں کیا۔ مَیں نے ان کو جواب دیا ہے کہ بے شک تم نے شور و شر نہیں کیا لیکن جب تمہیں علم ہو گیا تھا کہ مَیں نے اس تفرقہ کو ناپسند کیا ہے تو تمہارا فرض تھا کہ تم تفرقہ نہ ہونے دیتے۔ تم دوسری پارٹی سے کہہ دیتے کہ نہ ہم اِدھر ووٹ دیتے ہیں نہ آپ اُدھر ووٹ دیں۔ گورنمنٹ کا کوئی قانون آپ لوگوں کو ووٹ دینے پر مجبور نہیں کرتا تھا لیکن اب ووٹ دے کر اور جماعت میں تفرقہ پیدا کر کے معافی مانگنا کیا معنے رکھتا ہے۔ یہ کمزوریاں ہیں جو جماعت کے ایک طبقہ سے ظاہر ہوئی ہیں۔ مگر ان باتوں کا معلوم ہو جانا بھی ہمارے لئے ایک خوش قسمتی کی بات ہے۔ اگر یہ باتیں جماعت میں رائج ہو جاتیں تو پھر ان کا دُور کرنا بہت مشکل ہو جاتا۔ اب ہمیں معلوم ہو گیا ہے کہ ابھی جماعت کے لئے الیکشنوں کا امتحان باقی ہے۔ روپے کا امتحان آیا تو ہم نے شاندار کامیابی حاصل کی، وقفِ زندگی کا امتحان آیا تو ہم نے شاندار کامیابی حاصل کی، تحریک جدید کا امتحان آیا تو ہم نے شاندار کامیابی حاصل کی۔ اب الیکشن کے امتحان میں بھی انشاء اللہ ہم ہی جیتیں گے۔ یہ اچھا ہوا کہ ہمیں اپنی کمزوریوں کا علم ہو گیا ہے۔

غرض اس موقع پر تین قسم کی کمزوری دکھائی گئی ہے۔ بعض لوگوں نے جماعتی نظام کے خلاف کیا اور تفرقہ کی صورت پیدا کی ہے یعنی انہوں نے الیکشن کو مقدم اور جماعتی نظام کو مؤخر کر دیا۔ اور بعض جگہ ایسا ہوا ہے کہ انہوں نے کیا تو وہی جو جماعتی طور پر پاس ہوا تھا مگر وہ جماعتی فیصلے جماعتی فیصلے نہیں تھے۔ اصل میں ذاتی فیصلے تھے اور بعض جگہ پر یہ تیسری بات بھی نمایاں ہوئی کہ بعض لوگوں نے جماعتی نظام کو توڑ دیا۔ جماعت نے کثرت رائے سے ایک فیصلہ کیا اور بعض لوگوں نے کثرت رائے کے خلاف عمل کیا۔ اس قسم کے آدمی بہت کم ہیں اور شاید

ایک درجن کے قریب ہوں گے مگر بہر حال ایک درجن ایسے آدمیوں کے پیدا ہو جانے کو بھی میری طبیعت برداشت نہیں کر سکتی۔ اصل چیز تو یہ ہے کہ اگر دس کروڑ آدمی جماعت میں ہوں یا سو کروڑ ہوں اور جماعتی طور پر ایک فیصلہ ہو جائے تو ایک شخص بھی اس کے خلاف نہ جائے۔ کُجا یہ کہ چند لاکھ کی جماعت میں سے دس بارہ یا پندرہ بیس ایسے ہوں جو اپنے مقامی جماعت کے فیصلہ اور مرکز کی تائید کے بعد بھی اس کے اُلٹ کرنے لگ جائیں۔ دنیا میں بھی یہی دستور ہے کہ جب اکثریت کوئی فیصلہ کرتی ہے تو اقلیت بھی اس کا ساتھ دیتی ہے۔ کیا وجہ ہے کہ ہم میں بعض اس کے خلاف ہوں۔ ڈیموکریسی کے یہی معنی ہوتے ہیں۔ کونسلوں میں بھی وہپ (Whip) **3** مقرر کرتے ہیں اور وہپ یہی ہوتا ہے کہ پارٹی ایک فیصلہ کرتی ہے جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے یہ پارٹی کا فیصلہ ہے۔ اس کے بعد وہپ جاری کر دیا جاتا ہے اور اس پارٹی کے ہر ممبر کو وہ فیصلہ بھیج دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد ہر ممبر پر یہ لازم ہوتا ہے کہ وہ پارٹی کے فیصلہ کی تائید کرے اور اس کے خلاف نہ چلے۔ سیاسی معاملات میں بھی یہ طریق جاری ہے۔ دنیوی معاملات میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ دینی معاملات میں بے شک خواہ اکثریت یہ کہے کہ ہم اسلام کو جھوٹا سمجھتے ہیں تب بھی اس کی اتباع ضروری نہیں ہوگی کیونکہ یہ آخرت کا معاملہ ہے اور ہر انسان اپنے اعمال کے متعلق خدا تعالیٰ کے حضور جوابدِہ ہوگا لیکن اگر دین کا معاملہ آئے تو کثرت کی اتباع کرنی چاہئے سوائے اس کے کہ اس سے کوئی دینی رخنہ پیدا ہوتا ہو یا اخلاقی طور پر کوئی نقص ہو یا دنیوی طور پر کسی شدید نقصان کا احتمال ہو۔ پس تین نقائص ہیں جو اس دفعہ ہمیں معلوم ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ بعض سرکردہ آدمی بھی نفسانیت کے پیچھے چلے اور حقیقتاً انہوں نے سلسلہ کے مفاد کو نہیں دیکھا اور ظاہر یہ کیا ہے کہ وہ گویا جماعتی فیصلہ کی اتباع کر رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کچھ لوگوں نے اس موقع کو فساد اور جھگڑے کا موجب بنایا اور جماعتی اتحاد کو الیکشن کے تابع کر دیا۔ کچھ لوگوں نے جماعتی فیصلہ کے خلاف بھی عمل کیا۔ اب ہمارا یہ کام ہے کہ عقل اور تدبیر سے کام لیتے ہوئے اور خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے اس مرض کا علاج کریں جو ہمیں اپنی زندگی میں معلوم ہو گیا ہے۔ اور کوشش کریں کہ جماعت ایسے مقامِ فرمانبرداری پر کھڑی ہو جائے کہ اگر مقامی جماعت کی اکثریت

کوئی فیصلہ کرے یا ساری جماعت کسی کام کے کرنے کا فیصلہ کرے تو اس فیصلہ کی سارے کے سارے پیروی کریں اور ان میں سے کوئی ایک بھی اس کے خلاف نہ جائے اور ان چیزوں کو جو دنیوی ہیں جماعتی نظام کے توڑنے کا موجب نہ بنائے۔ ورنہ یہ ایسی ہی بات ہو گی جیسے کوئی شخص مکھی کی خاطر اپنا گھوڑا مار ڈالے۔ ایک طرف دین ہے اور دوسری طرف دنیا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ دنیا کے لئے اتنے جھگڑے ہوں کہ دین پر اس کا خطرناک اثر پڑے ایسی صورت میں تو ایک دنیوی کام کو نہ کرنا ہی اچھا ہے جس سے دین میں تفرقہ پیدا ہوتا ہو۔ مثلاً جب جھگڑا پیدا ہو گیا تھا تو گوجرانوالہ کے لوگ ووٹ ہی نہ دیتے۔ اگر گوجرانوالہ کی جماعت ہوشیار ہوتی تو یہ فیصلہ کرتی کہ چلو ہم گھر میں بیٹھ جاتے ہیں آپس میں کیوں لڑائی کریں، ہمیں کوئی قانون مجبور نہیں کرتا کہ ووٹ دیں۔ پس ضروری ہے کہ جماعت کے اندر ایسا اخلاص پیدا کیا جائے کہ وہ مداہنت کا رنگ اختیار نہ کرے۔ ظاہر تو یہ کیا جائے کہ ہم سلسلہ کی فرمانبرداری اور اسلام کی خیر خواہی کر رہے ہیں اور سلسلہ کو فائدہ پہنچا رہے ہیں لیکن در حقیقت ذاتی تعلقات ان کو ایک فیصلہ پر ابھار رہے ہوں۔

(3) احرار کو ووٹ کیوں دیئے: تیسری بات جس کا بہت کچھ چرچا رہا ہے اور جس کی وجہ سے جماعت کے لوگوں کے دلوں میں بھی ایک خلش پیدا ہو رہی ہے اس کے متعلق بھی مَیں کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں اور وہ یہ کہ ڈسکہ کے علاقہ میں جماعت نے احرار کو ووٹ دینے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلہ کی وجہ سے دو قسم کی خلش پیدا ہو رہی ہے۔ ایک یہ کہ احرار کو ووٹ کیوں دیا جبکہ وہ ہم کو گالیاں دینے والے ہیں۔ دوسرے یہ کہا جاتا ہے کہ احرار کی طرف سے یہ پروپیگنڈا کیا گیا ہے کہ احمدیوں نے جھوٹ بولا ہے ہم نے ان سے قطعاً کوئی مدد نہیں مانگی۔ انہوں نے ہمیں بدنام کرنے کے لئے ہمیں ووٹ دینے کا اعلان کیا ہے۔ چنانچہ پرسوں سرحد سے ایک خط آیا جس میں لکھا تھا کہ اشتہارات کے ذریعہ اور لیکچروں کے ذریعہ یہ کہا گیا ہے کہ احمدیہ جماعت جو کہتی ہے کہ ہم نے احراریوں کو مدد دی ہے یہ بالکل غلط ہے۔ نہ انہوں نے ہمیں مدد دی ہے اور نہ ہم نے ان سے مدد طلب کی ہے وہ جھوٹ بولتے ہیں۔ اس معاملے میں اس وقت تک میری زبان بند تھی کیونکہ مَیں ایک معاہدہ کی رو سے اس کا پابند تھا کہ الیکشن تک اس بات کو

ظاہر نہ کروں لیکن اب جبکہ الیکشن ختم ہو چکے ہیں مَیں ساری حقیقت بیان کرتا ہوں کہ کس طرح یہ واقعہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ نواب محمد دین صاحب جو ناروو ال کے علاقہ سے امیدوار تھے ان سے پہلے وہاں ان کے لڑکے مسٹر محمد نقی امیدوار کھڑے ہوئے تھے۔ انہوں نے بوجہ اپنے تعلقات کے یونینسٹ پارٹی سے ٹکٹ مانگا تھا اور یونینسٹ پارٹی نے غور کرنے کے بعد یہی فیصلہ کیا تھا کہ اگر کوئی شخص واقع میں اس علاقہ کی سیٹ جیت سکتا ہے تو وہ محمد نقی ہی ہے۔ لیکن چونکہ ہماری ہمدردیاں لیگ کے ساتھ تھیں بلکہ ہر جگہ اس قسم کے احکام جاری کئے گئے تھے کہ لیگ کے لئے کوشش کرو اس لئے ملک خضر حیات خان صاحب نے نواب صاحب کو بلا کر کہا کہ اگرچہ اس سیٹ کے لئے محمد نقی مناسب ہے لیکن مَیں نے یہ سنا ہے کہ احمدی جماعت کا مسلم لیگ سے کوئی سمجھوتہ ہو گیا ہے۔ اگر نقی الیکشن کے ایام آنے پر پھسل جائے اور دوسرے فریق کی طرف چلا جائے یا بیٹھ جائے۔ تو ہماری سیٹ خطرے میں پڑ جاتی ہے۔ اس لئے مجھے تسلی دلواؤ کہ ایسا نہیں ہو گا۔ چنانچہ نواب محمد دین صاحب میری بیماری کے ایام میں قادیان آئے۔ مَیں چارپائی پر لیٹا ہوا تھا اور اسی حالت میں مجھے ملے اور کہا کہ اس قسم کا خدشہ ملک صاحب نے بیان کیا ہے۔ آیا مَیں انہیں یقین دلا دوں کہ ایسا نہیں ہو گا۔ اور آیا واقع میں کوئی ایسا معاہدہ ہوا ہے یا نہیں؟ مَیں نے کہا معاہدہ والی بات غلط ہے۔ لیکن اگر وہ آپ کو ٹکٹ دے دیں اور پھر بعد میں لیگ سے ہمارا معاہدہ بھی ہو جائے تو ہم کسی احمدی کو جھوٹ بولنے پر مجبور نہیں کریں گے اور محمد نقی کو معاہدہ کی پابندی سے مستثنیٰ کر دیں گے۔ ہم کہیں گے کہ چونکہ اس نے پہلے سے معاہدہ کیا ہے اس لئے اس پر یہ فیصلہ اثر انداز نہیں ہوتا (چنانچہ ایسا ہی واقعہ بھلوال کی تحصیل میں ہوا ہے۔ وہاں شیخ فضل حق صاحب پراچہ لیگ کی طرف سے کھڑے تھے۔ پہلے ان کے خلاف فیصلہ ہوا تھا۔ اس وقت میرے پاس ملک صاحب خان صاحب نون آئے جو خود بھی اس حلقہ سے امیدوار تھے انہوں نے کہا کہ کیا مجھے اجازت ہے کہ مَیں فلاں صاحب سے جو مقابل پر کھڑے ہیں معاہدہ کر لوں؟ کیونکہ ان کی کامیابی کے زیادہ امکانات ہیں۔ مَیں نے کہا اجازت ہے۔ جب مَیں نے اجازت دے دی تو وہ وہاں گئے اور غالباً احمدیت کے سوال کی وجہ سے انہوں نے سمجھا کہ مجھے ووٹ کم ملیں گے اس لئے تیسرے امیدوار سے

کہا کہ تم کھڑے رہو۔ مَیں تمہاری مدد کروں گا اور خود کھڑا نہ ہوں گا۔ اس امیدوار نے ان سے کہا قسم کھاؤ کہ میری مدد پر قائم رہو گے۔ چنانچہ انہوں نے قسم کھائی۔ اسی اثناء میں مسلم لیگ کے بعض لیڈروں سے جو باتیں ہو رہی تھیں۔ اس کے نتیجہ میں جماعتی فیصلہ یہ ہوا کہ شیخ فضل حق صاحب پراچہ کی مدد کی جائے۔ چنانچہ شیخ فضل حق صاحب پراچہ کی مدد کے متعلق جماعتوں کو ہدایتیں چلی گئیں۔ اس پر ملک صاحب آئے کہ مَیں نے تو آپ کے کہنے کے بعد قسم کھائی تھی پھر مَیں کیا کروں؟ کیا میرے لئے کوئی ایسی راہ کھلی ہے جس سے مَیں بجائے ان کی مدد کرنے کے جماعت کے ساتھ مل کر لیگ کی مدد کروں؟ مَیں نے کہا ایسی کوئی راہ نہیں کھلی۔ آپ نے ان کی مدد کرنے کی قسم کھائی ہوئی ہے اور قسم بھی ہماری اجازت کے بعد کھائی ہے اس لئے کوئی صورت بھی ایسی نہیں کہ آپ اس معاہدہ کو توڑ سکیں اس لئے آپ اس حکم سے مستثنیٰ رہیں گے۔ آپ کا خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے کہ اپنا معاہدہ پورا کریں خواہ باقی جماعت دوسری طرف ووٹ دے۔ چنانچہ ملک صاحب خان صاحب نون یونینسٹ امیدوار کی مدد کرتے رہے اور باقی جماعت لیگ کی مدد کرتی رہی۔ پس معاہدہ کی خلاف ورزی ہمارے اصول کے خلاف ہے بشرطیکہ معاہدہ حقیقی ہو۔ مثلاً جماعت کی اجازت سے ہو، جماعت کی اجازت کے بغیر ہو تو اسے ہم معاہدہ ہی نہیں کہتے۔ کیونکہ جماعت کے کسی فرد کو جماعت کے مشورہ اور اس کی اجازت کے بغیر کسی ایسے معاہدہ کی اجازت نہیں ہوتی جو قومی امور پر اثر انداز ہو۔ لیکن اگر جماعت کی اجازت سے کوئی معاہدہ ہوتا ہے تو ہم اس کو بدلنے نہیں دیتے۔ خواہ کچھ ہو جائے۔ جب نواب صاحب اٹھنے لگے تو مَیں نے کہا اگر یونینسٹ پارٹی ہم سے یہ سلوک کرے گی کہ ہم کو ایک ٹکٹ دے دے تو ہم بھی اس کے ساتھ سلوک میں پیچھے نہیں رہیں گے۔ ہم ڈسکہ کی جماعت کو مشورہ دیں گے کہ وہ بھی یونینسٹ امیدوار کو ووٹ دے۔ چنانچہ نواب صاحب نے یہ بات ملک خضر حیات خاں صاحب تک پہنچا دی اور یونینسٹ پارٹی نے عزیزم محمد نقی صاحب کو ٹکٹ دے دیا۔ لیکن جب ان کے مقابل پر نواب محمد ممتاز صاحب دولتانہ کھڑے ہوئے تو چونکہ وہ بڑی پوزیشن کے آدمی تھے اس لئے یونینسٹ پارٹی نے نواب محمد دین صاحب سے کہا کہ یہ بچہ ان کا مقابلہ نہیں کر سکے گا بہتر ہو گا کہ آپ کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ

نواب صاحب کھڑے ہو گئے اور چونکہ ہم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ ڈسکے کی جماعت کے ووٹ یونینسٹ امیدوار کو ووٹ دیں گے اس لئے ہم اپنے وعدے کے مطابق اس کے پابند تھے کہ یونینسٹ امیدوار کو ووٹ دیں۔ یونینسٹ کی طرف سے چودھری غلام رسول صاحب ذیلدار کھڑے کئے گئے تھے لیکن دسمبر میں شبہ پیدا ہونا شروع ہوا کہ وہ کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ چنانچہ اس دوران میں سر ظفر اللہ خاں صاحب ملک خضر حیات خان صاحب کو ملنے گئے تو انہوں نے چودھری صاحب سے ذکر کیا کہ چودھری غلام رسول صاحب کی کامیابی کی امید کم نظر آتی ہے۔ دوسرے وہاں صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہاری کھڑے ہیں اور کہتے ہیں کہ مَیں آپ کے ساتھ مل جاتا ہوں مجھے آپ مدد دیں۔ اگر مَیں صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کے حق میں فیصلہ دے دوں تو کیا جماعت اس پر تیار ہو جائے گی کہ صاحبزادہ صاحب کی مدد کرے؟ چودھری صاحب نے کہا کہ جب تک مَیں مرکز میں اطلاع نہ دوں اور مشورہ حاصل نہ کر لوں اس بارہ میں مَیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن مَیں سمجھتا ہوں جبکہ آپ کی پارٹی کو ووٹ دینے کا وعدہ کیا گیا ہے تو جس کو بھی آپ کہیں گے ہم ان کو ووٹ دے دیں گے۔ ہمارا تو آپ سے وعدہ ہے نہ کہ غلام رسول صاحب سے یا فیض الحسن صاحب آلومہاری سے۔ اگر آپ ان کو کھڑا کر دیں گے تو ہم ان کو ووٹ دے دیں گے۔ لیکن وہ جماعت احمدیہ کے مقررہ معاہدہ کی پابندی کا عہد کریں۔ ملک صاحب نے کہا مَیں انہیں یہ بات سمجھا دوں گا لیکن آپ یہ بات مرکز میں پہنچا دیں۔ سر ظفر اللہ خاں صاحب نے آکر مجھے یہ بات بتائی۔ مَیں نے کہا۔ آپ نے صحیح جواب دیا ہے۔ ہمارا وعدہ یونینسٹ پارٹی سے ہے۔ اگر یونینسٹ پارٹی صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کو کھڑا کرے تو خواہ ہمیں وہ امیدوار پسند ہو یا نہ ہو ہم اپنا وعدہ پورا کرنے کے پابند ہیں اور ہم اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔

اس کے بعد جنوری میں صاحبزادہ فیض الحسن صاحب اور خان بہادر قاسم علی صاحب قادیان تشریف لائے اور چودھری ظفر اللہ خاں صاحب کی معیت میں مجھ سے ملے۔ صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ میرے چانسز (chances) زیادہ ہیں۔ اگر ملک خضر حیات خان صاحب میری سفارش کر دیں۔ تو کیا آپ کی جماعت مجھے ووٹ دے دے گی؟ مَیں چونکہ جماعت سے پہلے ہی

مشورہ کر چکا تھا اور اکثر دوستوں نے یہی بتایا تھا کہ اگر ہماری جماعت ان کو ووٹ دے تو اُن کی کامیابی کا زیادہ امکان ہے اس لئے مَیں نے صاحبزادہ صاحب سے کہا کہ اگر آپ جماعتی معاہدہ کے لئے تیار ہوں تو ہماری جماعت آپ کو ووٹ دے دے گی۔ بشرطیکہ ملک خضر حیات خاں صاحب آپ کی سفارش کر دیں کیونکہ ہمارا وعدہ اصل میں ان سے ہے۔ صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ مَیں جماعتی معاہدہ لکھ کر دینے کو تیار ہوں اور ملک صاحب کی تحریر آپ کو جا کر بھجوا دوں گا۔ میرے معاہدہ کے متعلق یہ شرط ہو گی کہ الیکشن کے آخر تک اسے ظاہر نہ کریں۔ مَیں نے انہیں بتایا کہ ہمارا یہ طریق نہیں کہ ہم معاہدات کو یونہی ظاہر کریں۔ ہمارے ساتھ چالیس پچاس آدمیوں کے معاہدے ہوئے ہیں لیکن ہم نے کسی ایک کے معاہدہ کو بھی شائع نہیں کیا۔ پھر صاحبزادہ صاحب نے کہا۔ مَیں نے سنا ہے کہ نارووال کی تحصیل سے نواب صاحب کھڑے ہوئے ہیں اور نارووال کی تحصیل کے راجپوتوں میں میرے بہت سے مرید ہیں۔ مَیں ان سے کہوں گا کہ وہ نواب صاحب کے حق میں ووٹ دیں۔ مَیں نے ان سے کہا کہ ہم کسی لالچ کی وجہ سے آپ کو ووٹ نہیں دے رہے اور نہ ہم سودا کرنا چاہتے ہیں بلکہ ہمارا ملک صاحب سے وعدہ تھا کہ جو آدمی بھی آپ کا کھڑا ہو گا ہم اس کو ووٹ دیں گے ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔ آپ کے مریدوں کے ووٹ حاصل کرنا ہمارے مد نظر نہیں۔ وہ بے شک ہمارے خلاف ووٹ دیں۔ (چنانچہ اکثر ووٹ راجپوتوں کے ہمارے خلاف ہی گئے ہیں) پھر صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ اگر آپ احرار کی شدید مخالفت کے باوجود میرے حق میں فیصلہ کریں گے تو کوئی وجہ نہیں کہ جماعت احرار بھی آپ سے تعاون کے لئے ہاتھ نہ بڑھائے۔ مَیں نے کہا اس بات کا بھی سوال نہیں۔ آپ کی جماعت تعاون کا ہاتھ بڑھائے یا نہ بڑھائے ہم نے تو ملک صاحب سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ وہ جس کے حق میں فیصلہ کر دیں گے ہم اسے ووٹ دیں گے خواہ اس کے تعلقات ہمارے ساتھ اچھے ہوں یا بُرے۔ پھر صاحبزادہ صاحب نے کہا کہ مَیں جاتا ہوں اور ملک صاحب سے فیصلہ کر کے آپ کو اطلاع دوں گا۔

(اِس جگہ عزیزم مرزا بشیر احمد صاحب کی شہادت بھی درج کرتا ہوں جن سے صاحبزادہ فیض الحسن صاحب میری ملاقات سے پہلے ملے تھے۔ مرزا بشیر احمد صاحب تحریر

فرماتے ہیں:۔

”جب صاحبزادہ فیض الحسن صاحب آلومہاری اواخر جنوری 1946ء میں قادیان آئے تو حضرت۔۔۔ خَلِیْفَةُ الْمَسِیْحِ الثَّانِیْ اَیَّدَہُ اللّٰہُ بِنَصْرِہٖ کے پاس جانے سے قبل میرے مکان پر بھی تشریف لائے تھے۔ اس وقت ان کے ساتھ مکرم چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب اور خان بہادر چودھری قاسم علی صاحب آف ڈسکہ بھی تھے۔ مکرمی چودھری صاحب نے میرے ساتھ صاحبزادہ صاحب کا تعارف کرایا۔ جس پر مجھے حیرانی ہوئی کہ وہ اتنی مخالفت کے باوجود کس طرح تشریف لائے ہیں۔ لیکن ابھی مَیں نے کوئی بات نہیں کی تھی کہ چودھری صاحب نے از خود ہی فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب اپنے لئے حلقہ ڈسکہ کے احمدی ووٹروں کی امداد حاصل کرنے کے واسطے قادیان آئے ہیں اور مَیں حضرت صاحب کی ملاقات سے قبل انہیں آپ کے پاس لے آیا ہوں۔ اس پر مَیں نے احرار پارٹی کی شدید مخالفت کے پیشِ نظر صاحبزادہ صاحب سے پوچھا کہ کیا آپ نے اس بارے میں اپنی پارٹی کے ساتھ بھی بات کر لی ہے؟ صاحبزادہ صاحب نے فرمایا۔ ہاں مَیں نے بات کر لی ہے اور خصوصیت سے مولانا مظہر علی صاحب اظہر کا نام لیا کہ مَیں ان کے ساتھ بات کر کے ہی قادیان آیا ہوں۔ مَیں نے کہا۔ فیصلہ تو حضرت صاحب فرمائیں گے لیکن اس قدر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ چونکہ یہ ایک سیاسی کام ہے اس لئے مذہبی اختلاف کی بناء پر انکار نہیں کیا جائے گا۔ چودھری صاحب نے فرمایا۔ مَیں نے بھی صاحبزادہ صاحب سے یہی کہا ہے۔ اس کے بعد چودھری صاحب نے مکرمی سید ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امور عامہ کی طرف پیغام بھجوایا کہ جو معاہدہ الیکشن میں امداد لینے والے امیدواروں سے لکھایا جاتا ہے اس کی نقل بھجوادیں تا وہ صاحبزادہ صاحب کو دکھا دیا جائے۔ چنانچہ پیغام جانے پر مکرمی ناظر صاحب امور عامہ اس معاہدہ کا مسودہ خود اپنے ساتھ لے کر تشریف لے آئے اور صاحبزادہ فیض الحسن صاحب نے ہم سب کے سامنے اسے پڑھا اور پڑھنے کے بعد فرمایا کہ اس میں کوئی ایسی بات نہیں جس کی وجہ سے مجھے اس معاہدہ کے لکھ دینے سے انکار ہو۔ اس کے بعد صاحبزادہ صاحب حضرت صاحب کی ملاقات کے لئے تشریف لے گئے۔ فقط خاکسار مرزا بشیر احمد“

اس کے کچھ دن بعد مَیں کھانا کھا رہا تھا کہ فون آیا کہ پریمیر (Premier) صاحب آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ جس بات کے لئے ملک خضر حیات خاں صاحب نے مجھے فون کیا وہ تو اَور تھی گو الیکشن کے سلسلے میں ہی تھی۔ مگر اسی سلسلہ میں انہوں نے بتایا کہ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب میرے پاس آئے تھے لیکن ابھی تک کوئی فیصلہ نہیں ہوا۔ مَیں نے ان سے کہا مَیں نے تو وعدہ آپ سے کیا تھا۔ اب آپ جس کے حق میں فیصلہ کر دیں ہم اسے ووٹ دیں گے۔ اسی فون میں یا غالباً دوسرے فون میں (میرا خیال ہے کہ دوسرے فون میں جو کچھ دنوں کے بعد ملک خضر حیات خان صاحب نے کیا) انہوں نے کہا کہ صاحبزادہ صاحب کہتے ہیں کہ مَیں تحریر تو نہیں دے سکتا۔ آپ میری طرف سے ضمانت دے دیں۔ مگر مَیں ان کی ضمانت کس طرح دے سکتا ہوں کیونکہ مَیں انہیں پوری طرح جانتا نہیں۔ مَیں نے ملک صاحب سے کہا۔ ہمارا وعدہ تو آپ سے ہے۔ آپ جس کے متعلق فیصلہ کریں گے ہم اس کے حق میں ووٹ دے دیں گے۔ آخر جب دو فروری تک کوئی فیصلہ نہ ہوا تو سیالکوٹ کے نمائندے میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھ سے اس بارہ میں مشورہ طلب کیا۔ مَیں نے انہیں سارا معاملہ بتا کر کہا کہ چودھری اسد اللہ خان صاحب کے پاس چلے جائیں مَیں نے انہیں سب معاملہ سمجھا دیا ہے۔ وہ ملک صاحب سے پوچھ کر آخری فیصلہ آپ کو بتا دیں گے۔ جو وہ کہیں وہی میری رائے سمجھی جائے۔ چنانچہ مَیں نے سب بات لکھ کر چودھری اسد اللہ خان صاحب کو بھجوا دی۔ جب چودھری صاحب نے ملک خضر حیات خان صاحب سے دریافت کیا کہ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کے متعلق کیا فیصلہ ہوا ہے؟ تو ملک صاحب نے یا ان کے سیکرٹری نے چودھری صاحب سے کہا کہ صاحبزادہ صاحب کہتے ہیں کہ مَیں تحریر نہیں دے سکتا۔ آپ ضمانت دے دیں اور ہم ضمانت نہیں دے سکتے۔ ویسے وہ ہمارے ہی آدمی ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو ان کو ووٹ دے دیں۔ شیخ بشیر احمد صاحب نے یہ بات مجھے فون پر کہی۔ تو مَیں نے ان سے کہا کہ ملک خضر حیات خان صاحب سے کہیں کہ ہماری پسند اور ناپسند کا تو سوال ہی نہیں ہم نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم آپ کے آدمی کو ووٹ دیں گے اور ہم اپنا وعدہ پورا کریں گے۔ اس طرح غالباً تین فروری کو صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کے حق میں ووٹ دینے کا فیصلہ

یونینسٹ پارٹی کی طرف سے ہوا اور چودھری اسد اللہ خان صاحب نے وہاں کی جماعتوں کو یہ ہدایت کی کہ وہ اپنے ووٹ صاحبزادہ فیض الحسن صاحب کو دیں۔

یہ واقعات ہیں جن کی بناء پر صاحبزادہ صاحب کو جماعت نے ووٹ دیئے۔ جماعت کا یونینسٹ پارٹی سے یہ وعدہ تھا کہ ان کا جو نمائندہ وہاں کھڑا ہو گا۔ جماعت اسے ووٹ دے گی۔ یونینسٹ نے صاحبزادہ صاحب کو اپنا لیا اور جماعت نے اپنے وعدہ کے مطابق صاحبزادہ صاحب کو ووٹ دیئے۔ ہم نے یونینسٹ پارٹی سے یہ شرط نہیں کی تھی کہ اگر وہ آدمی ہماری مرضی کے مطابق ہو گا تو اسے ووٹ دیں گے اور اگر ہماری مرضی کے مطابق نہیں ہو گا تو اسے ووٹ نہیں دیں گے۔ یونینسٹ پارٹی نے صاحبزادہ صاحب کو کھڑا کیا۔ ہم نے انہیں ووٹ دے دیئے۔ پھر صاحبزادہ صاحب خود یہاں آئے اور جماعتی معاہدہ کرنے کے لئے آمادگی کا اظہار کیا۔ اس کے گواہ خان بہادر قاسم علی صاحب اور چودھری ظفر اللہ خان صاحب ہیں۔ (خان بہادر قاسم علی صاحب احمدی نہیں ہیں) چونکہ الیکشن گزر چکا ہے اور صاحبزادہ صاحب کے یہ الفاظ تھے کہ الیکشن کے دوران مَیں اس بات کو ظاہر نہ کیا جائے کیونکہ مجھے نقصان پہنچنے کا احتمال ہے۔ الیکشن کے بعد آپ جس طرح چاہیں اسے استعمال کریں۔ اور دوسرے ان کی پارٹی نے یہ کہا ہے کہ انہوں نے احمدیوں سے کوئی مدد وغیرہ نہیں مانگی اور نہ احمدیوں نے ان کی مدد کی ہے، احمدیوں نے محض احرار کو بدنام کرنے کے لئے ایسا کیا ہے۔ اس لئے مَیں اس حقیقت کا اظہار کر رہا ہوں اور مَیں جماعت کے دوستوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ احرار کو اگر ہم نے ووٹ دیئے ہیں تو سیاسی معاملہ میں دیئے ہیں نہ کہ کسی دینی معاملہ میں۔ اس سے پہلے مولوی ظفر علی خان صاحب کو جو کہ سنٹرل اسمبلی کے ممبر ہوئے ہیں ہماری جماعت نے ووٹ دیئے تھے کیونکہ ہم سمجھتے ہیں کہ دنیوی معاملے میں اگر ایک احراری مسلمان قوم کے لئے زیادہ مفید ہو سکتا ہے تو ہم احراری کو کیوں ووٹ نہ دیں۔ ہر مسلمان جو سیاسیات کے لحاظ سے مسلمان کہلاتا ہے اگر ہم اس کے متعلق یہ سمجھتے ہوں کہ وہ زیادہ اچھا کام کر سکتا ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم اسے ووٹ دیں خواہ وہ شیعہ ہو یا سُنّی۔ یا وہابی ہو یا غیر وہابی۔ اسی طرح اگر ہم ایک مسلم لیگی کے متعلق سمجھتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے لئے مفید کام کر سکتا ہے تو ہمیں اس کے احمدی نہ ہونے کی وجہ سے اسے ووٹ

دینے میں کوئی دریغ نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی اَور پارٹی کے آدمی کو جو مسلمانوں کے لئے مُضِر نہ ہو۔

(4)غیب سے سلسلہ کی ترقی کے سامان: چوتھی بات مَیں یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ہمارے سلسلہ کی ترقی کے سامان پیدا کر رہا ہے۔ چنانچہ انہی دنوں خدا تعالیٰ نے بعض ایسے سامان پیدا کئے ہیں جو انسان کو تعجب میں ڈالتے ہیں۔ دنیا میں بعض علاقے ایسے ہیں جہاں ہم لوگوں کا جانا خصوصاً ہندوستانیوں کا جانا قریباً ناممکن ہے۔ اور جو ہندوستانی پہلے سے وہاں گئے ہوئے ہیں وہ بھی کئی قسم کی تکالیف اٹھاتے رہتے ہیں۔ جیسے ساؤتھ افریقہ ہے۔ ساؤتھ افریقہ والے نئے ہندوستانیوں کو وہاں نہیں آنے دیتے اور پرانے ہندوستانی باشندوں پر اتنی سختی کرتے ہیں کہ ریسٹوران اور ہوٹلوں میں ہر جگہ یہ لکھا ہوتا ہے کہ ہندوستانی یہاں نہیں آسکتے۔ ریل گاڑیوں پر لکھا ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کو یہاں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ ان کے لئے بعض مخصوص ڈبّے ہوتے ہیں جن پر یہ لکھا ہوتا ہے کہ یہ ہندوستانیوں کے لئے ہیں۔ ہوٹلوں کے باہر لکھا ہوتا ہے کہ ہندوستانیوں کو ان میں داخل ہونے کی اجازت نہیں۔ یا لکھا ہوتا ہے کہ فلاں کمرے میں ہندوستانی بیٹھ کر کھانا کھاسکتے ہیں۔ ایسی جگہ پر ہمارے کسی آدمی کا پہنچنا بالکل ناممکن تھا۔ سالہاسال سے ہم حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے کہ کوئی ذریعہ وہاں آدمی بھجوانے کا نکل آئے تو ہم وہاں اپنا مبلغ بھیج دیں لیکن کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا تھا۔ پیر کے دن اچانک مجھے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر یوسف سلیمان صاحب جنہوں نے انگلستان میں ڈاکٹری پاس کی اور وہیں اپنی جوانی کے ایام میں رہے ہیں اچانک قادیان میں آپہنچے ہیں۔ مجھے اس سے پہلے نیر صاحب کا خط آیا تھا کہ ڈاکٹر سلیمان صاحب قادیان آرہے ہیں اور مَیں حیران تھا کہ ڈاکٹر سلیمان صاحب کے آنے کی نہ شمس صاحب نے اطلاع دی ہے اور نہ کسی اَور نے۔ یہ بات کیا ہے؟ مگر ابھی نیر صاحب کو اس بارہ میں کوئی خط نہیں لکھا گیا تھا کہ ڈاکٹر یوسف سلیمان صاحب اچانک قادیان پہنچ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنی ساری عمر انگلستان میں گزاری ہے۔ انہوں نے ڈاکٹری پاس تو کی تھی لیکن ڈاکٹری پیشہ اختیار نہیں کیا۔ ان کے والد صاحب امیر آدمی تھے اور اتنی جائیداد انہوں نے چھوڑی ہے کہ وہ اسی پر گزارہ کرتے ہیں۔ ان کے والد کیپ ٹاؤن کے علاقہ کے ویسے ہی

لیڈر تھے جیسے مسٹر گاندھی نٹال کے۔ اور دونوں مل کر کام کیا کرتے تھے۔ جب ڈاکٹر صاحب مجھے ملے تو انہوں نے بتایا کہ مسٹر گاندھی کئی دفعہ ہمارے گھر آکر ٹھہرتے اور کئی دفعہ ہم ان کے گھر جاکر ٹھہرتے۔ ان کے دوسرے بھائی بھی احمدی ہیں لیکن ہمشیرہ احمدی نہیں۔ امیر آدمی ہونے کی وجہ سے گزارے سے بے فکر ہیں۔ کیونکہ جائیداد کے کرایہ کی آمد انہیں کافی ہو جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بہت دیر سے احمدی ہیں۔ جب مَیں ولایت گیا تو یہ کچھ دنوں کے لئے اتفاقاً وطن گئے ہوئے تھے۔ اس لئے ان سے ملاقات نہ ہو سکی۔ اب پہلی دفعہ مَیں نے ان کی شکل دیکھی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مَیں اصل میں ساؤتھ افریقہ جارہا تھا اور مَیں نے وہیں کا پاسپورٹ لیا ہوا تھا۔ جب کلکتہ پہنچا تو ارادہ ہوا کہ ہندوستان میں ٹھہر جاؤں۔ کیونکہ کلکتہ کی غلاظت دیکھ کر مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ مَیں نے ارادہ کیا کہ کوئی علاقہ تجویز کر کے ہندوستان کے لوگوں کو صفائی کے ساتھ رہنے کی عادت ڈالوں اور ساتھ ہی تبلیغ بھی کروں۔ وہ چونکہ پہلی دفعہ یہاں آئے تھے اس لئے ان کو بات آہستگی سے سمجھانی پڑتی تھی۔ مَیں نے کہا اس قسم کے نیک ارادے لے کر یہاں بڑے بڑے پادری آئے لیکن ہم لوگوں کو صفائی سکھاتے سکھاتے وہ خود تھک گئے۔ سینکڑوں سال کی عادتیں آہستہ آہستہ ہی ہٹتی ہیں۔ ایک آدمی کس طرح اتنا بڑا کام کر سکتا ہے۔ پھر یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ آپ جن لوگوں کو صفائی سکھانا چاہتے ہیں کیا کبھی ان کی معذوریاں بھی آپ نے سوچی ہیں؟ آپ کا ملک مالدار ہے جہاں آپ نے عمر گزاری ہے۔ وہ ملک بھی مالدار ہے لیکن ہمارے ملک کا یہ حال ہے کہ فی آدمی ڈیڑھ آنہ روزانہ آمد ہوتی ہے۔ کسی کے پاس چار کنال زمین ہے، کسی کے پاس گھماؤں، کسی کے پاس دو گھماؤں اور کسی کے پاس پانچ چھ سات یا آٹھ گھماؤں۔ اور کثرت ایسے لوگوں کی ہے جن کے پاس سات آٹھ گھماؤں سے بھی کم زمین ہے اور وہ بھی پھیلی ہوئی۔ کسان بیچارہ صبح چار بجے اٹھتا ہے، سات آٹھ گھنٹے ہل چلاتا ہے، پھر بھینسوں کو نہلاتا ہے، جانوروں کو چارہ ڈالتا ہے۔ اور چونکہ اکثروں کے پاس اتنی زمین نہیں ہوتی کہ اس سے چارہ نکال سکیں اس لئے کُھرپا لے کر باہر نکل جاتے ہیں۔ کچھ گھاس سڑک کے اس کنارے سے کاٹا اور کچھ اُدھر سے کاٹا اور پھر کچھ تیسری جگہ سے کاٹا اور کئی گھنٹہ کی محنت کے بعد کچھ گھاس اپنے بیلوں کو لا کر ڈالتے ہیں۔ تب ان کے بیل زندہ رہتے ہیں

اور ان کے بچوں کو روٹی ملتی ہے اور وہ بھی دو وقت کی نہیں۔ کبھی ایک وقت کی ملتی ہے اور کبھی دو وقت کی۔ اب بتائیں جس کو سارا دن کام کرنے کے بعد پیٹ بھر کر کھانے کے لئے روٹی بھی نہ ملے اس کو کپڑا کہاں سے ملے گا؟ جس بیچارے کے پاس صرف ایک تہہ بند ہے اس کے پاس ہمت کہاں کہ وہ کپڑوں کو صاف رکھے؟ وہ تو کام سے تھک کر اور چُور ہو کر لیٹتا ہے اور اسے چار بجے تک ہوش ہی نہیں آتا۔ چار بجے اٹھتے ہی وہ پھر باہر چلا جاتا ہے۔ کبھی آپ نے اس کا بھی خیال کیا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں ٹھیک ہے۔ پھر انہوں نے کہا۔ یہاں کی گورنمنٹ مجھے بوجہ ساؤتھ افریقن ہونے کے ملک میں رہنے کی اجازت نہیں دیتی۔ مَیں بھی چاہتا ہوں کہ وہیں اپنے وطن میں رہوں اور سلسلہ کی تبلیغ کروں۔ مَیں نے کہا کیا کسی طرح ہم اپنا مبلغ وہاں بھیج سکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں۔ وہاں انہیں استاد کر کے بھیج سکتے ہیں؟ مَیں کہوں گا کہ مجھے اپنے لئے دین کے استاد کی ضرورت ہے اس طرح وہ میرے استاد بن کر جاسکتے ہیں۔ مَیں نے کہا کہ آپ جائیں اور استاد کے لئے درخواست دے دیں۔ اجازت ملنے پر ہم وہاں اپنا مبلغ اِنْشَاءَ اللّٰہ بھیج دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میری جائداد کافی ہے وہ مبلغ ہمارے مکانات میں رہے گا اور اس کے سارے اخراجات بھی وہیں سے چل جائیں گے۔ یہاں سے کسی قسم کی ضرورت نہ ہو گی۔ اور تبلیغ کے لئے وہاں اِنْشَاءَ اللّٰہ اچھا موقع نکل آئے گا۔ انہوں نے بتایا کہ ساؤتھ افریقہ میں اچھی حیثیت والے جاوا کے لوگ ہیں جو کسی وقت جاوا سے جلاوطن کئے گئے تھے۔ ان کے حقوق ہندوستانیوں سے زیادہ ہیں۔ اس پر مَیں نے تجویز کی کہ ہو سکا تو ہم ایک جاوی احمدی کو مبلغ بنا کر بھجوائیں گے جسے انہوں نے پسند کیا۔ پرسوں پھر مَیں نے ان سے ذکر کیا کہ کیا آپ وہاں پر پریکٹس کریں گے یا کوئی اَور کام کریں گے؟ انہوں نے کہا کہ مَیں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ مَیں اپنی زندگی تبلیغ کے لئے صَرف کروں گا۔ کھانے کی مجھے فکر نہیں، کھانے کے لئے خدا تعالیٰ نے کافی دیا ہوا ہے۔ ہاں غریبوں کے لئے مفت پریکٹس کروں گا اور اپنی قوم میں احمدیت کو پھیلانے کے لئے تبلیغ میں لگ جاؤں گا اور یہ مفت پریکٹس بھی تبلیغ میں ممد ثابت ہو گی۔ ایک تو مَیں خود مبلغ ہوں گا اور دوسرے مبلغ کو بھی وہاں منگوانے کی کوشش کروں گا اور مجھے امید ہے کہ اِنْشَاءَ اللّٰہ اجازت مل جائے گی جیسا کہ پادریوں کو ملتی ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ ان کو بلانے

کی اجازت ہو اور ہمیں نہ ہو۔ پھر مجھ سے انہوں نے کہا کہ مَیں خود بھی بخوبی تبلیغ کر سکتا ہوں لیکن چونکہ مَیں نے یہاں سے مکمل تعلیم حاصل نہیں کی اور میرے دماغ پر بائیبل چھائی ہوئی ہے اور مَیں نے اپنی ساری عمر انگریزوں کے ساتھ ہی بسر کی ہے اس لئے ڈرتا ہوں کہ ایسا نہ ہو کہ کوئی بات ایسی میرے منہ سے نکل جائے جو احمدیت کے خلاف ہو اور پھر اس کو بعد میں مٹانا مشکل ہو جائے اور لوگ کہیں کہ پہلے مبلغ نے ہمیں یہ بات سکھائی تھی اب اس کے خلاف کیوں کہتے ہو۔ اس لئے مناسب ہے کہ ایک مبلغ ہو جو ان لوگوں کو صحیح تعلیم پہنچائے۔ مَیں اس کی ہر طرح مدد کروں گا اور پھر اس کے ذریعہ مجھے بھی علم حاصل ہو جائے گا۔

اب دیکھو یہ خدائی سامان ہیں۔ نہ ارادہ نہ خیال، مجھے تو یہ بھی پتہ نہیں تھا کہ وہ آرہے ہیں۔ اچانک ان کا یہاں آنا معلوم ہوا اور اچانک خدا تعالیٰ کی طرف سے ساؤتھ افریقہ میں تبلیغِ احمدیت کے سامان پیدا ہو گئے۔ اسی طرح اب ایک دوست کا امریکہ سے خط آیا ہے۔ وہ ایک مخلص نوجوان ہے۔ اس خط میں اس نے ایک سکیم لکھی ہے۔ اگر اس کو ہم جاری کر سکے تو ہمارے مبلغین کا امریکہ پہنچنا بہت آسان ہو جائے گا اور ان کا وہاں کا خرچ بھی ہمارے ذمہ نہ ہو گا۔ اگر اس سکیم کے متعلق ہماری ہر طرح تسلی ہو گئی تو ہم اس کو جاری کرنے کا جلد اِنْشَاءَ اللّٰہ انتظام کریں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ غیب سے ہمارے لئے ترقی کے سامان پیدا کر رہا ہے۔ اب ہمارا فرض ہے کہ ہم زیادہ سے زیادہ جوش کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے کاموں میں لگ جائیں۔ ہمارے مبلغوں کے لئے زیادہ سے زیادہ جگہیں اور زیادہ سے زیادہ مقامات اپنی گودیں کھولتے جا رہے ہیں اور ہمارا کام دن رات بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ ان تمام مقامات کے لئے مبلغ مہیا کرنا ہمارا کام ہے کیونکہ فی الحال بیرونی ممالک کے لوگ مبلغ تیار نہیں کر سکتے۔ مبلغ کے لئے تمام دینی علوم کا جاننا اور اپنی جماعت کے تمام مسائل سے آگاہ ہونا ضروری ہے اور یہ بات فِی الْحال باہر کسی جگہ پیدا نہیں ہوئی۔ پس ابھی سَو یا دو سَو سال تک قادیان سے ہی مبلغ باہر بھیجے جائیں گے۔ پھر جب احمدیت بیرونی ممالک میں کثرت کے ساتھ پھیل جائے گی اور احمدیت کو اللہ تعالیٰ غلبہ دے دے گا تو باہر والے بھی مبلغ تیار کر لیں گے۔ جب تک وہ زمانہ نہیں آتا ہمیں اپنے بچے اشاعت دین کے لئے قربان کرنے ہوں گے۔ آخر اللہ تعالیٰ نے ہمارے اندر کوئی قربانی کی

روح دیکھی ہی تھی تبھی تو اس نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہمارے درمیان بھیجا۔ پس ہمارا فرض ہے کہ ہم اپنے جگر گوشوں کو دین کی اشاعت کے لئے قربان کرتے چلے جائیں اور اللہ تعالیٰ کی اس حُسن ظنی کو پورا کریں جو اس نے ہمارے متعلق کی۔ اور اپنے آقا کی بات کو جھٹلائیں نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس امتحان میں پورا اتارے۔ آمین"

(الفضل 20 مارچ 1946ء)

1: کُٹنی: عیّارہ۔ چالاک۔ عورتوں کو ورغلانے والی۔ دلّالہ

2: آل عمران: 104

3: وہپ: (Whip)(i) اطلاع نامہ جس میں اراکین سے کسی متوقع ووٹنگ کے لئے حاضر ہونے کو کہا گیا ہو (ii) سیاسی جماعت کا نظم وضبط اور ہدایات۔

(Oxford English Urdu Dictionary,Oxford University Press)